(الذکر)

(ذکر کرنے کی فضیلت وفوائد)

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	وعظ کہنے کی وجہ	۷
۲	ہر علم سے مقصود عمل ہوتا ہے	۸
۳	علم کے ساتھ تقاضا عمل پیدا کرنے کی ضرورت	۹
۴	عقیدہ تقدیر میں حکمت	۱۰
۵	منکر تقدیر حال	۱۱
۶	مُقر تقدیر کا حال	۱۱
۷	حکایت	۱۲
۸	ہر عقیدہ کو دستور العمل بنانے سے نفع	۱۳
۹	ذاکر اور غافل کی مثال	۱۳
۱۰	جان بہت بڑی چیز ہے	۱۴
۱۱	اعمال صالحہ کے فضائل بیان کرنے کا سبب	۱۵
۱۲	ہماری غفلت کا عجیب حال	۱۵
۱۳	شکستہ قبور میں حکمت	۱۸
۱۴	اپنی فکر اصلاح کی ضرورت	۱۸
۱۵	ثواب دور سے بھی پہنچ جاتا ہے	۲۰
۱۶	قبر پر تلاوت قرآن حکیم کا نفع	۲۱
۱۷	اعمال صالحہ کے لئے ثواب بڑی نعمت ہے	۲۲
۱۸	زندگی قابل قدر ہے	۲۳
۱۹	دور حاضر کے امراء کا ظلم وستم	۲۴
۲۰	ظلم کرنے کا انجام	۲۴

۲۱	ظلم سے توبہ	۲۵
۲۲	تمام عالم اصل مغز	۲۵
۲۳	تمام علوم کی روح اور تمام اعمال کا مدار	۲۶
۲۴	رکوع وسجود کی اہمیت	۲۷
۲۵	نماز کا اصل مقصود ذکر ہے	۲۸
۲۶	جملہ اعمال کا مقصود ذکر الٰہی ہے	۲۹
۲۷	اعمال دنیا میں مقصود ذکر ہے	۳۱
۲۸	عادات میں بھی مقصود ذکر ہے	۳۲
۲۹	اسلام اور عیسائیت میں فرق	۳۲
۳۰	آخرت کا اصلی کام صرف ذکر اللہ ہے	۳۲
۳۱	ارتکاب گناہ کے بعد ذکر سے رکاوٹ کا سبب	۳۳
۳۲	رحمت خداوندی	۳۴
۳۳	ذکر کا فائدہ	۳۵
۳۴	شیطان کا جال	۳۵
۳۵	ذکر لسانی میں نفع	۳۶
۳۶	اصلی کام	۳۷
۳۷	تسبیح کا فائدہ	۳۸
۳۸	ہر وقت ذکر ہو وضوء بے وضوء	۳۸
۳۹	ذکر کی بدولت اللہ کے یہاں تمہارا تذکرہ	۳۹
۴۰	ترکیب تحصیل خلوص واحسان	۴۰
۴۱	ہمت بڑھانے کا گر	۴۱
۴۲	خلاصہ وعظ	۴۲

وعظ

(الذکر)

(ذکر کرنے کی فضیلت وفوائد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نے وعظ ''الذکر'' ذکر کی فضیلت اور اس کے فوائد کے بارے میں جامع مسجد تھانہ بھون میں ۱۷ شوال ۱۳۳۱ھ کو ارشاد فرمایا جسے مولانا عبداللہ صاحب نے قلمبند فرمایا۔

عقیدہ کے درستگی اور تقاضہ عمل پیدا کرنے کی ضرورت پر زور دیا اور بتایا کہ تمام اعمال کا مقصود ذکر الٰہی ہے۔

اللہ تعالیٰ سب مستفیدین کو ذکر کی توفیق عطا فرمائیں آمین۔

خلیل احمد تھانوی

۱۵/ ذیقعدہ ۱۴۳۴ھ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

خطبۂ ماثورہ

الحمد للّٰہ نحمدہٗ و نستعینہٗ ونستغفرہٗ و نؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد انّ سیدنا ومولانا محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ اٰلہ واصحابہ و بارک وسلم **اما بعد:**

فأعوذ باللّٰہ من الشیطن الرجیم

بسم اللّٰہ الرّحمن الرّحیم

فقد قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل الذاکر فی الغافلین کمثل الحی فی الاموات او کما قال۔

غافل لوگوں کے مجمع میں ذاکر کی مثال ایسی ہے جیسے مردوں میں ایک زندہ ہو۔

وعظ کہنے کی وجہ

یہ ایک ٹکڑا ہے بڑی حدیث کا، حدیث کے الفاظ میں مجھ کو شبہ ہے معنی تو بعینہ محفوظ ہیں اس لئے آخر میں اوکما قال بڑھا دیا ہے [۱] اس حدیث میں جناب رسول اللہ ﷺ نے ذکر کی فضیلت بیان فرمائی ہے گو ترجمہ سننے سے تو اس کی بہت وقعت معلوم نہ ہوگی مگر کسی قدر غور کرنے سے حقیقت اس کی معلوم ہونے کے بعد اس مضمون کی قدر ہوگی ہر چند کہ میرا قصد [۲] بیان کرنے کا نہ تھا اس لئے کہ میرا معمول یہ ہے کہ جب از خود طبیعت میں تقاضا پیدا ہوتا ہے تو بیان کرتا ہوں مگر جب

(۱) یا جو الفاظ بھی آپ ﷺ نے ارشاد فرمائے ہوں (۲) ارادہ۔

اسباب اس کے جمع ہوگئے منجملہ ان کے بعض اعزہ نے درخواست کی اور ان کی درخواست پر ایک بہت مفید مضمون بھی ذہن میں آ گیا اور مفید بھی ایسا ہے کہ ہر حالت میں ضروری بعض مضامین خاص خاص حالتوں کے اعتبار سے ضروری ہوتے ہیں مگر یہ مضمون ہر حالت میں اور ہر شخص کے لئے اور ہر پہلو سے ضروری اور مفید ہے۔ ارادہ مختصر ہی بیان کرنے کا ہے لیکن باوجود اختصار کے ضرورت اس سے پوری ہوجاوے گی۔

ہر علم سے مقصود عمل ہوتا ہے

اور مقصود میرا بیان سے یہ نہیں ہے کہ لوگ اس کو علمی مضمون کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس کو عملی مضمون کی حیثیت سے سنیں اور اپنا دستور العمل بنالیں بلکہ جو علمی مضمون ہے سنا جاوے اس کو بھی اسی حیثیت سے سن لیں کہ اس پر عمل کریں اس لئے کہ ہر علم سے عمل ہی مقصود ہوتا ہے حتیٰ کہ جن علوم سے عمل کا تعلق ظاہراً معلوم نہیں ہوتا اور وہ عقائد کے مضامین ہیں جیسے حق تعالیٰ کا ایک ہونا رسول کا سچا ہونا قیامت کا آنا۔ عندالتامل [1] اس کا تعلق بھی عمل سے ہی ہے دو حیثیتوں سے اول یہ ہے اور وہ ذرا لطیف [2] بات ہے کہ عمل کو جوارح [3] کے ساتھ مخصوص نہ کہا جاوے بلکہ عام رکھا جاوے۔ خواہ جوارح سے ہو یا قلب سے [4] اس لئے کہ محض علم بلا عزم قلب [5] کے تو ایمان کے اندر معتبر نہیں ہے ایسا علم تو کفار کو بھی تھا چنانچہ ان کے حال سے حق تعالیٰ نے خبر دی ہے ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ [6] ''وہ ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''

(۱) غور کرنے کے بعد (۲) باریک بات ہے (۳) عمل کو اعضاء کے ساتھ خاص نہ سمجھیں (۴) چاہے اعضاء سے ہو یا دل سے (۵) اگر دل سے عمل کا ارادہ نہ ہو تو صرف علم کا کوئی اعتبار نہیں (۶) سورۃ البقرۃ: ۱۴۶۔

بلکہ اعتقاد اور تصدیق کی ضرورت ہے اور یہ عمل قلب کا ہے (۱) پس اس تقریر کے موافق تمام عقائد کے مضامین سے عمل ہی مقصود ہوا پس کوئی علم ایسا نہ نکلا کہ جس میں محض علم مقصود ہوا گر عمل کے اندر عموم نہ لیا جاوے اور عمل کو جوارح کے ساتھ مخصوص کیا جاوے تو باب عقائد کا تعلق عمل کے ساتھ دوسری حیثیت سے ہے اور وہ پہلی وجہ سے الطف ہے (۲) اور اس کا سمجھنا موقوف ہے ایک مقدمہ پر وہ یہ ہے کہ تجربہ اور عقل سے یہ بات واضح ہے کہ جو عمل جوارح سے صادر ہوتا ہے اس کا ایک داعیہ قلب میں اول پیدا ہوتا ہے (۳) بغیر اس کے کوئی عمل جوارح سے صادر نہیں ہوتا اس عمل کا نرا علم صدور کے لئے کافی نہیں (۴) جب تک تقاضا اور داعیہ قوی نہ ہو کوئی عمل ظاہری صادر نہیں ہوتا۔

علم کے ساتھ تقاضا عمل پیدا کرنے کی ضرورت

مثلاً نماز ہے سب جانتے ہیں کہ فرض ہے لیکن اتنا جاننا عمل کے لئے کافی نہیں چنانچہ سب مسلمانوں کا یہ اعتقاد ہے لیکن پھر بھی بہت سے بے نمازی ہیں اور بعضے چاہتے ہیں کہ ہم پابندی سے نماز پڑھیں لیکن پابندی نہیں ہوسکتی اس کی کیا وجہ ہے نرا علم اگر کافی ہوتا (۵) تو سب نمازی ہوجاتے معلوم ہوا کہ علاوہ علم کے کسی اور شے (۶) کی بھی ضرورت ہے وہ یہی تقاضا اور داعیہ ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

بس نرا علم کافی نہیں بہت سی باتیں آپ جانتے ہیں اور عمل ان پر نہیں ہے

(۱) یہ دل کا عمل ہے (۲) وہ پہلی وجہ سے بھی زیادہ لطیف ہے (۳) اعضاء جو عمل کرتے ہیں ان کا تقاضا دل میں پیدا ہوتا ہے (۴) صرف علم کی بنا پر اعضاء سے عمل سرزد نہیں ہوتا (۵) صرف علم اگر کافی ہوتا (۶) کسی اور چیز کی ضرورت ہے۔

اس کی وجہ یہی ہے کہ تقاضا نہیں معلوم ہوا کہ تقاضا ہی اصل محرک (۱) پس تقاضے کا وجود ضروری ہوا۔ پس علوم حقہ اور عقائد حقہ اگرچہ اس تقاضے کے پیدا کرنے میں مستقل نہیں ہیں لیکن ان کو دخل ضرور ہے۔ چنانچہ اگر عقائد کو متحضر کرلیا جاوے تو پھر ان کا دخل تام بھی ہوجاتا ہے مثلاً حق تعالیٰ کی وحدانیت اور پیغمبروں کی سچائی اور قیامت کا قائم ہونا اور عذاب وثواب حشر ونشر (۲) قبر کا عذاب ان کو اگر قلب میں راسخ کرلیا جاوے (۳) تو اس کا یہ اثر ہوگا کہ قلب میں ایک ایسی کیفیت قائم ہوجاوے گی جس سے اعمال کا تقاضا قلب میں خودبخود پیدا ہوگا (۴) اور اعمال میں جیسی پہلے دشواری ہوتی تھی اب نہ ہوگی۔

عقیدہ تقدیر میں حکمت

عقائد کا شریعت نے ہم کو مکلّف بنایا ہے ان میں ہر ایک کو فرداً فرداً ایک ایک عمل سے تعلق ہے کسی عقیدہ کو کسی عمل میں دخل ہے کسی کو کسی سے مثلاً تقدیر کا عقیدہ ہے اس کی ایک خاص حکمت ہے اور خاص عمل میں اس کو دخل ہے چنانچہ اس کو حق تعالیٰ نے خود بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے: ﴿مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِیْبَةٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا ط اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ لِّكَیْلَا تَاْسَوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰىكُمْ﴾ (۵) یعنی کوئی مصیبت نہ زمین میں آتی ہے اور نہ تمہاری جانوں میں مگر وہ ہمارے اس کو پیدا کرنے سے پہلے کتاب یعنی لوح محفوظ میں ہوتی ہے اور یہ کتاب اللہ پر آسان ہے (اور یہ اس لئے بتلادیا گیا) تاکہ تم اپنی فوت شدہ شے پر غمگین نہ ہو اور جو تم کو شے

---

(۱) تقاضا ہی اصل میں عمل پر آمادہ کرنے والا ہے (۲) دوبارہ زندہ کیا جانا (۳) دل میں جمالیں (۴) عمل کرنے کا تقاضا خودبخود پیدا ہوگا (۵) سورۃ الحدید: ۲۲، ۲۳۔

دی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ جو شخص تقدیر کا عقیدہ راسخ کرلے گا اس کے اندر صبر اور استقلال اور ثبات (۱) پیدا ہوجائے گا کسی شے کے فوت ہوجانے کا اس کو اس درجہ غم نہ ہوگا کہ اس کو پریشان کردے اس لئے کہ جانتا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں حق تعالیٰ نے اسی طرح مقدر فرمایا تھا اور اس کا ہونا ضروری تھا اور یہ امر بہت ظاہر ہے مشاہدہ سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے۔

منکر تقدیر کا حال

دو شخص فرض کر لیجئے ایک تو تقدیر کا منکر ہے اور دوسرا قائل ہے اور دونوں کے مثلاً دو بیٹے ہیں اور وہ دونوں مر گئے تو منکر تقدیر چونکہ تدبیر ہی کو موثر سمجھتا ہے اور کوئی مضمون تسکین بخش اس کے ذہن میں نہیں (۲) اس لئے وہ اگر فرط غم اور جزع فزع سے مرجائے (۳) تو تعجب نہیں۔

مُقر تقدیر کا حال

اور جو تقدیر کا قائل ہے اور جانتا ہے کہ جو واقعہ ہوا ہے اس کا ہونا تو اسی وقت ضروری تھا اور اسی میں حکمت تھی اس کو معاً (۴) یہ مضمون مستحضر ہوجاوے گا ﴿قُلْ لَّنْ یُّصِیْبَنَآ اِلَّا مَا کَتَبَ اللّٰہُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا﴾ ''اے نبی ﷺ آپ فرمادیں کہ ہم پر ہرگز مصیبت نہیں آسکتی مگر وہی مصیبت جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے لکھ دی وہ ہمارا مالک ہے'' اور فوراً یہ آیت پیش نظر ہوجاوے گی ﴿فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَایَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ﴾ (۵) ''جب ان کا معین وقت آپہنچا ہے تو ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے سرک سکتے ہیں''۔

---

(۱) ثابت قدمی (۲) سکون کے لئے کوئی مضمون اس کے ذہن میں نہیں (۳) غم کی زیادتی اور رونے دھونے کی وجہ سے (۴) فوراً یہ مضمون ذہن میں آجائے گا (۵) سورۃ الاعراف: ۳۴۔

غزوہ احد میں جب بہت سے مسلمان شہید ہوگئے تو منافقین نے کہا تھا ﴿لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا﴾(۱) یعنی اگر لڑائی کا معاملہ ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم یہاں مارے نہ جائے حق تعالیٰ جواب دیتے ہیں: ﴿قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ﴾(۲) ''یعنی آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں پر قتل مقدر ہو چکا ہے وہ اپنے مقتل کی طرف نکل جاتے''۔

ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے: ﴿اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ط قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾(۳) ''یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اور خود جہاد سے بیٹھ رہے ہیں کہ اگر وہ ہمارا کہنا مانتے تو مارے نہ جاتے آپ کہہ دیجئے کہ تم خود اپنی جانوں سے موت کو ہٹالو اگر (تدبیر سے موت کے دفع کرنے میں) سچے ہو۔

حکایت

ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک ملاح سے کسی نے پوچھا تھا کہ تمہارے باپ کہاں مرے اس نے کہا دریا میں۔ پوچھا دادا کہاں مرے کہا دریا میں کہنے لگا کہ تم کو دریا سے ڈر نہیں لگتا اس نے جواب دیا کہ تمہارے باپ کہاں مرے کہا گھر میں پوچھا کہ دادا کہاں مرے کہا گھر میں کہنے لگا کہ تم کو گھر سے ڈر نہیں لگتا اس ملاح نے بہت ملامت کی اور بتایا اس لئے کہ حق تعالیٰ کی قدرت جیسے عنصر آب پر ہے(۴) اسی طرح عنصر خاک پر بھی ہے جو وہاں بچانے والا ہے وہی یہاں ہلاک

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۵۴ (۲) سورۃ آل عمران: ۱۵۴ (۳) سورۃ آل عمران: ۱۶۸ (۴) جیسے اللہ کو پانی پر قدرت ہے اسی طرح زمین پر بھی قدرت ہے۔

کرنے والا ہے پھر ایک جگہ ڈرنے اور دوسری جگہ مامون ہونے کے کیا معنی۔ غرض ان آیات واحادیث ومضامین کو یاد کرکے اس کو تسلی ہوجاوے گی دیکھئے مسئلہ تقدیر کے اعتقاد کو عمل کے اندر کتنا دخل ہے اسی طرح جملہ عقائد حقہ کو اعمال کے اندر خاص دخل ہے۔

ہر عقیدہ کو دستور العمل بنانے سے نفع

اس لئے میں کہتا ہوں اور میں خود نہیں کہتا بلکہ اللہ ورسول کے فرمانے سے کہتا ہوں کہ اگر ہر عقیدہ کو اپنا دستور العمل بنالیا جاوے تو دین ودنیا کی کامیابی حاصل ہوگی۔ غرض جب علوم کا تعلق بھی عمل ہی سے ہوتو خود عمل تو عمل ہی ہے اس لئے اس مضمون کو جو آج میں بیان کرنا چاہتا ہوں بقصد عمل سن (۱) کر اس کو ضرور ہی دستور العمل بنالیا جاوے خلاصہ اس مضمون کا یہ ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ ذکر کی فضیلت اور اس کا مفید وضروری ہونا بیان فرماتے ہیں ذکر کو تو علی العموم سب ضروری سمجھتے ہیں لیکن وہ جس درجہ کی شے ہے اس درجہ کی نہیں سمجھتے۔

ذاکر اور غافل کی مثال

اس حدیث میں حضور ﷺ نے یہی بیان فرمایا ہے کہ ذکر کس درجہ کی چیز ہے چنانچہ اول حدیث کا ترجمہ کیا جاتا ہے حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ذاکر کا حال غافلین (۲) میں ایسا ہے جیسے زندہ کا حال مردوں میں یعنی جو نسبت زندہ کو مردوں سے ہے وہی نسبت ذاکر کی غافلین سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ ذکر حیات ہے اور غفلت ممات ہے (۳) اس لئے کہ ذاکر کو تشبیہ دی ہے حی کے ساتھ اور غافل کو میت (۴) کے ساتھ پس جو فرق زندہ اور مردہ میں ہے وہی فرق ذاکر اور غافل میں ہے ظاہر ہے کہ زندہ اور مردہ میں یہی فرق ہے کہ زندہ میں جان ہے اور

(۱) عمل کرنے کی نیت سے سنکر (۲) ذکر کرنے والا غافلوں کے درمیان (۳) ذکر زندگی اور غفلت موت ہے (۴) ذکر کرنے والے کو تشبیہ زندہ سے اور غافل کو مردہ سے دی۔

مردہ میں جان نہیں۔

جان بہت بڑی چیز ہے

اور یہ فرق عظیم ہے اس لئے کہ جان بہت بڑی شے ہے طبی، شرعی، دنیوی، اخروی، ظاہری، باطنی تمام حیثیتوں سے جان عظیم الشان شئے ہے اس لئے کہ تمام مصالح کا دارومدار اسی پر ہے جس قدر مصالح اور منافع ہیں۔ خواہ وہ ثمرات ہوں یا اسباب ہوں(۱) جان ہی کے واسطے جمع کئے جاتے ہیں اور جس قدر انسان سعی(۲) کرتا ہے کماتا ہے یا کھاتا ہے تجارت زراعت صناعت جو کچھ کرتا ہے وہ سب اپنی جان ہی کے واسطے ہے یا اگر اولاد کے لئے کرتا ہے تو وہ بھی اپنی جان ہی کے لئے ہے اس لئے کہ اولاد کے باقی رہنے کو اپنی بقا جانتا ہے دوسرے عنوان سے لیجئے انسان جو کچھ کرتا ہے اپنے اطمینان اور چین کے لئے کرتا ہے اور یہ نفع جان ہی کا ہے اگر اولاد کو تکلیف مصیبت کوئی اس پر آتی ہے تو اس کے زائل کرنے کی کوشش کرنا درحقیقت اپنے اطمینان کے لئے ہے اس لئے کہ ان کی تکلیف سے اپنے کو تکلیف ہے اولاد کے مرنے پر جو روتا ہے وہ بھی اپنی تکلیف کی وجہ سے ہے کہ فراق سے اپنی جان کو تکلیف ہوئی محبت سے اگر کسی کے ساتھ احسان کرتا ہے تو وہ بھی اپنے جوش قلبی کو فرو کرنے کے لئے محبت وجود خالص بلاغرض اگر ہوسکتی ہے تو حق تعالیٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ ہوسکتی ہے باقی ممکن کے لئے تو ممکن نہیں(۳) کہ اس کے فعل میں کوئی غرض نہ ہو ہاں حق تعالیٰ کے افعال البتہ ایسے ہیں ان میں ان کی کوئی غرض نہیں ہے۔

الحاصل انسان کے سعی اور ثمرہ دنیوی ثمرات سے لے کر اخروی ثمرات

(۱) چاہے اسباب ہوں یا نتائج (۲) کوشش (۳) کسی انسان کے لئے تو یہ ممکن نہیں کہ اس کے فعل میں کوئی غرض پوشیدہ نہ ہو۔

تک سب اپنی جان کے لئے ہے۔ نماز روزہ زکوٰۃ حج اور تمام اعمال صالحہ سب سے اپنی جان کو متمتع کرنا ہے(۱) دیکھئے جان نہ ہو تو بہشت (۲) کون جائے اور لقاء حق (۳) سے کون مشرف ہو معلوم ہوا کہ جان بہت بڑی چیز ہے۔

اعمال صالحہ کے فضائل بیان کرنے کا سبب

یہی وجہ ہے کہ باستثناء اہل حال کے اہل تمکین حیات کو موت پر ترجیح دیتے ہیں (۴) اس لئے کہ حیات ہی ایسی شے ہے جس سے دولت اخروی آدمی حاصل کرسکتا ہے ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنے سے زمین سے آسمان تک بھر جاتا ہے آج ہم اسی جان کی بدولت قادر ہیں کہ ڈھیر کے ڈھیر ثواب کے جمع کرلیں لیکن غفلت ہماری اس قدر بڑھ رہی ہے کہ کچھ خبر نہیں حق تعالیٰ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے تو یہ اعمال صالحہ کے فضائل اس لئے بیان فرمائے تھے کہ ہم ہر وقت ذکر میں مشغول رہیں کوئی وقت ہمارا خالی نہ رہے۔

ہماری غفلت کا عجیب حال

ہماری یہ حالت ہے کہ بچپن تو لہو ولعب (۵) میں گزرتا ہے۔ جوانی میں نشہ جوانی کا رہتا ہے بڑھاپا آیا تو اس میں کیا ہوسکتا ہے کسی نے خوب کہا ہے در طفلی پستی در جوانی مستی در پیری سستی پس خدا را کے پرستی۔ یعنی بچپن کمزوری میں جوانی مستی میں اور بڑھاپا سستی میں گزارا۔ پس خدا کی عبادت کب کرو گے۔ ساری عمر یونہی گزر جاتی ہے۔ بعضوں کو تو اس کی فکر ہی نہیں اور جن کو کچھ ہے وہ تسویف (۶) تاخیر (افسوس اور دیر کرنا)۔ میں پڑے ہیں کہ اس کام سے فارغ ہولیں پھر کریں

(۱) اپنی جان کو فائدہ پہنچانا ہے (۲) جنت میں (۳) اللہ کی ملاقات (۴) اہل حال کو چھوڑ کر باقی سب لوگ تو زندگی کو موت پر ترجیح دیتے ہیں (۵) کھیل کود (۶) افسوس کرنے۔

گے لڑکے کہتے ہیں کہ جوانی میں کریں گے اب تو ہمارے کھیلنے کے دن ہیں۔ جوانی ہوئی تو بڑھاپے کا انتظار ہے یادرکھو جو عادت لڑکپن میں پڑ جاتی ہے وہی جوانی اور بڑھاپے میں چلتی ہے پس لڑکپن اور جوانی میں اگر اعمال صالحہ اور ذکر کی عادت کرلو گے وہ بڑھاپے میں بھی رہے گی بلکہ بڑھاپا تو درکنار سوتے سوتے بھی کیا کرو گے۔ اس لئے کبھی یہ خیال نہ کرو کہ بڑھاپے میں کرلیں گے۔ حدیث میں ہے:(اغتنم خمسا قبل خمس صحتك قبل سقمك شبابك قبل هرمك وفراغك قبل شغلك وحياتك قبل موتك)(المستدرک الحاکم ۶:۲۰۶،حلیۃ الاولیاء۴:۱۴۸) پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں کے آنے سے پہلے غنیمت سمجھو اپنی صحت کو اپنی بیماری سے پہلے اپنی جوانی کو بڑھاپے سے پہلے اپنی فرصت کو اپنی مصروفیت سے پہلے اور اپنی زندگی کو اپنی موت سے پہلے بہت لوگ ایسے ہیں کہ ان کو فراغ اور صحت اور شباب سب کچھ حاصل ہے لیکن وہ اس کی قدر نہیں کرتے اور اپنے اوقات کو فضول ضائع کرتے ہیں اپنے وقت کی قدر کرنا چاہئے اس لئے کہ ہر طرح بےفکر ہیں کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

خوشا روز گارے کہ دارد کسے　　　کہ بازار حرصش نباشد بسے
بقدر ضرورت یسارے بود　　　کند کارے از مرد کارے بود

اس وقت عمل کی سہولت کو بہت غنیمت سمجھنا چاہئے، بڑھاپے میں یہ نہ ہوگا اور بوڑھوں کو بڑھاپا ہی غنیمت سمجھنا چاہئے اس لئے کہ مرکر یہ بھی نہ رہے گا۔ مرنے کے بعد اگر لاکھ جتن کرو گے کہ ایک مرتبہ ہم سبحان اللہ کہہ لیں تو ہرگز نصیب نہ ہوگا اور اگر ہوگا بھی تو اس وقت ثواب نہ ملے گا وہاں جو ذکر ہوگا وہ بطور غذا کے ہوگا۔ حدیث میں آیا ہے:(يلهمون التسبيح كما يلهمون النفس)الصحیح لمسلم،

الجنۃ ۱۸، مسند احمد ۳، ۳۵۴) جس طرح سانس لینا اضطراراً ہوتا ہے ایسے ہی ان کا ذکر ہوگا۔ پس یہ ثواب سبحان اللہ کا یہاں ہی ہے جب یہ حیات نہ ہوگی تو دو رکعت کو بھی ترسوگے اور اگر نماز وہاں ہوگی بھی جیسا کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا کہ قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور بعض مردوں کو دیکھا کہ قبر میں سورہ تبارک الذی پڑھ رہے ہیں تو اول تو یہ نماز بھی اس حیات کی ہی بدولت ہوگی دوسرے یہ ہے کہ ان اعمال کا ثواب کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے کہ مرنے کے بعد ثواب سب منقطع ہو جاتے ہیں اور اگر کسی کو صدقات جاریہ سے شبہ ہو تو وہ بھی اس حیات ہی کا ثمرہ ہے ہاں اگر کسی کے حال پر فضل ہو جاوے اور بعد مرنے کے بھی درجہ بڑھ جاوے تو وہ دوسری بات ہے یہاں کلام قواعد کی رو سے ہے سو قاعدہ سے ہر عمل کا ثواب بعد مرنے کے منقطع ہو جاتا ہے اکثر یہی ہے کہ بعد اس حیات کے ثواب وعقاب(۱) کا عمل نہیں ہے غذا کے طور پر جدا بات ہے اسی بناء پر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مراد آبادی فرمایا کرتے تھے کہ جب ہم مرجاویں تو یوں جی چاہتا ہے کہ قبر میں ہم کو نماز کی اجازت ہو جاوے اور فرمایا کرتے تھے کہ ہم جب سجدہ میں جاتے ہیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جیسے خدا نے پیار کرلیا ہو اور فرماتے تھے کہ یہاں جنت کا تو مزہ برحق حوض کوثر کا مزہ برحق مگر نماز کا سا لطف کسی شے میں نہیں پس اگر کسی مردہ کو نماز کی اجازت ہو جاوے تو وہ لذت کے واسطے ہے ثواب کے لئے نہیں اور یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قبور کی زیارت کرنے سے جیسا اپنا فائدہ ہے کہ بحوائے فانہا تذکرہ الاخرۃ آخرت کو یاد دلاتی ہے مردہ کا بھی فائدہ ہے کہ اس کو قرآن و ذکر سے لذت آتی ہے۔

---

(۱) ثواب وسزا کہ وہ آخرت کی یاد دلاتی ہیں۔

شکستہ قبور میں حکمت

اور اس حدیث فانہا تذکرۃ الاخرۃ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ قبریں ٹوٹی پھوٹی ہونا چاہئیں۔ اس لئے کہ موت ایسے ہی قبور سے یاد آتی ہے اور جہاں طرح طرح کے سامان ہیں قبر پختہ ہے اس پر نہایت عمدہ مکان بنا ہوا ہے شامیانے بندھے ہوئے ہیں وہاں موت کا یاد آنا تو کیا معنی بلکہ اور غفلت بڑھ جاوے تو عجب نہیں یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پختہ قبریں بنانا نص شرعی سے تو ناجائز ہے ہی لیکن جو مصلحت اور حکمت ہے زیارت قبور میں اس کا مقتضی بھی یہی ہے کہ پختہ قبریں ناجائز ہوں۔ درمیان میں ایک بات یاد آ گئی جو اپنے موقع پر رہ گئی تھی۔

اپنی فکر اصلاح کی ضرورت

میں نے اول کہا تھا کہ داعیہ (۱) جب تک نہیں ہوتا کوئی عمل نہیں ہوتا اس سے ایک مضمون تفریعاً (۲) یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی عادت ہے کہ دنیا بھر کے لئے مسائل پوچھتے ہیں اور اپنی فکر نہیں کرتے کسی کو کہتے ہیں کہ دیکھ تجھ کو مولوی صاحب نے فتوی میں بدعتی لکھا ہے کسی کو فاسق بناتے ہیں غرض ہر وقت دوسروں ہی پر طعن و تشنیع ان کا شیوہ (۳) ہے ان سے کوئی پوچھے کہ آپ کہاں کے مقدس ہیں (۴) اور اگر تسلیم بھی کیا جاوے کہ آپ کے اندر تقدس ہے تو کیا یہ عمل آپ کا ذاتی ہے آپ سمجھتے ہیں کہ عمل ہم کرتے ہیں تم خاک نہیں کرتے تمہارے اندر ایک داعیہ (۵) ہے جو غیب سے پیدا ہوتا ہے وہ تم سے یہ کام لیتا ہے اس میں تمہارا کیا

(۱) دل میں جب تک تقاضا نہ پیدا ہو (۲) بطور فرع (ضمنا) (۳) برا بھلا کہنا ہی ان کا طریقہ ہے (۴) نیک (۵) تقاضہ۔

کمال ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

عشق من پیداؤ معشوقم نہاں یار بیروں فتنۂ او درجہاں

''میرا عشق ظاہر اور میرا معشوق پوشیدہ ہے دوست باہر ہے اور اس کا فتنہ دنیا میں ہے''۔

اگر یہ مضمون ذہن نشین ہوجائے تو کبھی نہ کسی پر طعن کرنے کی ہمت ہو اور نہ کسی کی عیب جوئی کی رغبت ہو بلکہ آج جو اپنے کو مقدس سمجھتا ہے وہ اس مضمون کے استحضار کے بعد اپنا وجود لاشی اور شر محض نظر آوے(۱) اور ہمارا کیا تقدس ہماری حالت تو یہ ہے جیسے کوئی بزرگ فرماتے ہیں۔

گہے رشک برد فرشتہ برپاکی ما گہے خندہ زند دیو برناپاکی ما

''بعض دفعہ ہماری پاکیزگی پر فرشتہ رشک کرتا ہے اور بعض مرتبہ ہماری ناپاکی پر شیطان ہنستا ہے''

ایماں چو سلامت بہ لبِ گور بریم احسنت بریں چستی و چالاکی ما

''یعنی اگر ہم ایمان صحیح سالم لے کر قبر تک پہنچ جائیں اس وقت ہماری چستی و چالاکی پر شاباش کہنا''

اب پھر عود کرتا ہوں(۲)۔ غرض موت جب یاد آسکتی ہے کہ قبر کچی ٹوٹی ہوئی ہو پس قبر کی زیارت کرنے سے زائر کا تو یہ نفع ہوا اور مردہ کا نفع یہ ہے کہ اس کو انس اور لذت ہوتی ہے۔

---

(۱) اپنا وجود بیکار اور سراسر شر ہی معلوم ہوگا (۲) اب پھر اپنے مضمون کی طرف لوٹتا ہوں۔

ثواب دور سے بھی پہنچ جاتا ہے

باقی ثواب اگر دور سے بھیجا جاوے وہ بھی پہنچتا ہے درمیان میں کہیں ضائع نہیں ہوتا اس لئے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں کی ڈاک سب رجسٹری شدہ ہے۔ جو ثواب پہنچاؤ گے بہت حفاظت کے ساتھ پہنچے گا۔ جب وحی آتی تھی تو اس پر فرشتے پہرہ دار ہوتے تھے تا کہ کسی خبیث دیو یا شیطان کا تصرف نہ ہو حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَإِنَّهُ يَسْلُكُ مِنْ م بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهِ رَصَدًا لِيَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ﴾ الخ (۱) ''تو اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کو علم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کا پیغام پہنچا دیا ہے''۔

ملائکہ بے حد ہیں اور ان کے مختلف کام ہیں ملائکہ کی کثرت اس سے معلوم ہوگی کہ چوتھے آسمان پر بیت المعمور ہے وہ کعبہ ہے فرشتوں کا بعض نے کہا کہ وہ بیت اللہ شریف کے مقابلہ میں ہے بیت المعمور کی زیارت اور طواف کے لئے ہر روز ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جو ایک مرتبہ آچکے ان کا نمبر پھر نہیں آتا۔ اب خیال کیجئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش کو سات ہزار برس گزر چکے ہیں اور زمین و آسمان آدم علیہ السلام سے بہت پہلے سے ہیں اس سے فرشتوں کا بے حد ہونا ظاہر ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ آسمان چر چر بولتا ہے اور اس کے لئے چر چر بولنا سزاوار ہے (۲)۔ اس لئے کہ کوئی جگہ اس میں ایسی نہیں کہ فرشتے وہاں سجدہ نہ کرتے ہوں دیکھئے آسمان اتنا مضبوط کہ جس کی نسبت سبعاً شداداً فرمایا ہے اور جس کی نسبت ارشاد ہے ﴿فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ﴾ ''پس تو

(۱) سورۃ الجن: ۲۷ (۲) چر چر بولنا مناسب بھی ہے۔

نگاہ ڈال کے دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے'' اور پھر اس کی کیفیت یہ ہو کہ ملائکہ راکعین اور ساجدین(۱) کی کثرت سے وہ چرچرانے لگے کیا ٹھکانا ہے فرشتوں کی کثرت کا اور قوت کا اور یہ وہ مخلوق ہے جو ہم کو بتلائی گئی ہے اور جس کی خبر نہیں اس کی نسبت ارشاد ہے ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾ ''اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا''۔

غرض جس قدر کام ہیں سب پر فرشتے مسلط ہیں تم خواہ کتنی ہی دور سے ثواب پہنچاؤ بہت حفاظت سے وہ ثواب پہنچتا ہے یہاں سے اس بات کا غلط ہونا بھی ثابت ہوا کہ مشہور ہے کہ ایک شخص مر گیا جب وہ حق تعالیٰ کے یہاں پیش کیا گیا تو حکم ہوا کہ اس کو لے جاؤ ہم نے دوسرے کو بلایا ہے تو یہ محض غلط ہے اور اگر کسی شخص کو ایسا واقعہ پیش بھی آیا ہو تو یہ اس کے دماغی خیالات ہیں وہاں اودھ کی سلطنت نہیں کہ کچھ انتظام نہ ہو استغفر اللہ اور نہ وہاں کے کارکن ایسے بھولنے والے ہیں سہو ونسیان انسان کا ہی خاصہ ہے۔ پس تم جو کچھ بھی ثواب پہنچاؤ گے نہایت حفاظت سے پہنچے گا۔

قبر پر تلاوت قرآن حکیم کا نفع

تو اس کے لئے دور ونزدیک سب برابر مگر پاس میں فائدہ یہ ہے کہ مردہ کے پاس جب قرآن شریف پڑھا جاتا ہے تو اس کو لذت آتی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے شرح الصدور میں ایسی حکایتیں لکھی ہیں ایک حکایت لکھی ہے کہ خواب میں ایک عورت نے اپنے بیٹے سے کہا کہ تم قبر پر آتے ہی قرآن شریف نہ پڑھا کرو تھوڑی دیر بیٹھ کر قرآن شریف شروع کیا کرو تا کہ میں تم کو پہلے دیکھ لوں کیونکہ

(۱) سجدہ و رکوع کرنے والے فرشتوں سے چوں چوں کرنے لگے۔

جب تم قرآن شریف شروع کر دیتے ہو تو اس کے انوار میں تم چھپ جاتے ہو میں تم کو نہیں دیکھ سکتی۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوستوں کی قبر پر آنے سے مردہ کو لذت اور سرور ہوتا ہے۔

اعمال صالحہ کے لئے ثواب بڑی نعمت ہے

غرض ثواب کا اکتساب(۱) جو کچھ بھی ہے وہ حیات(۲) میں ہے اور اگر بعد حیات کے ہے تو وہ بھی بواسطہ حیات(۳) کے ہی ہے اسی واسطے عارفین حیات کو غنیمت سمجھتے ہیں مگر اسی وقت تک جب تک کہ کوئی حال غالب نہ ہو اور اگر حال غالب ہو تو یہ حالت ہوتی ہے۔

خرم آں روز کزیں منزل ویراں بردم   راحت جاں طلبم وز پئے جاناں بردم

''وہ دن بہت اچھا ہوگا کہ اس ویرانہ مکان دنیا سے جاؤں۔ جان کو آرام مل جائے اور محبوب کے دیدار کے لئے چلا جاؤں''

لیکن جس وقت صحو اور تمکین ہوتی ہے(۴) تو حیات ہی کو ترجیح دیتے ہیں چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت آئے ان کو پہچانا نہیں۔ انہوں نے ان کو ایک ایسا تھپڑ مارا کہ وہ یک چشم(۵) ہو گئے تو اس سے حیات کی ترجیح معلوم ہوئی انہوں نے حق تعالیٰ سے عرض کیا کہ آپ کا بندہ حاضر ہونا نہیں چاہتا ہے اور مجھے یک چشم کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بیل کی کمر پر ہاتھ رکھ جتنے بال ہاتھ کے نیچے آجاویں گے اتنے برس عمر کے بڑھ جاویں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ اس کے بعد کیا ہوگا فرمایا کہ موت فرمایا کہ پھر کیا فائدہ ابھی سہی یعنی جب وقت

(۱) ثواب کمانا (۲) زندگی میں (۳) زندگی کے واسطے سے (۴) لیکن جس وقت ان کی حالت درست ہوتی ہے اور مکمل طور پر ہوش میں ہوتے ہیں (۵) ایک آنکھ پھوٹ گئی۔

مقدر آ گیا تو حکمت اسی وقت کی موت میں ہے۔

زندگی قابل قدر ہے

حدیثوں سے بھی تصریحاً معلوم ہوتا ہے کہ حیات نہایت مغتنم شے ہے(۱)۔ حدیث شریف میں ایک قصہ آیا ہے کہ دو شخص ساتھ آئے اور ساتھ ہی مسلمان ہوئے ایک ان میں سے شہید ہوگیا ایک ہفتہ کے بعد دوسرے کا انتقال ہوگیا۔ حضور ﷺ نے نماز جنازہ کی پڑھ کر لوگوں سے پوچھا کہ اس کے لئے تم نے کیا دعاء کی لوگوں نے عرض کیا کہ یہ دعا کی ہے۔ اللھم اغفرلہ والحقہ بصاحبہ فرمایا ہائیں یہ کیا دعا کی ان دونوں کے درمیان ایسا فرق ہے جیسے زمین و آسمان کے درمیان ہے اس کی ہفتہ بھر کی نمازیں اور اعمال کہاں گئے تو دیکھئے شہادت باوجودیکہ افضل الاعمال ہے لیکن ہفتہ بھر کی حیات اس سے بڑھ گئی پس حیات بڑی نعمت ہے لیکن حیات اس لئے مطلوب نہیں کہ کھائیں اور مزے اڑائیں۔

خوردن برائے زیستن وذکر کردن است   تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

''کھانا زندگی اور ذکر کرنے کے لئے ہے اور تو اس کا معتقد ہے کہ زندگی کھانے کے لئے ہے''

دنیا کی لذت اور مناصب کے لئے اگر حیات چاہتا ہے تو تف ہے(۲) ایسی زندگی پر اس سے تو موت ہی اچھی اس کے لئے بھی کہ معاصی کی تقلیل ہوئی(۳) دوسروں کے لئے بھی کہ ان کو اس کے ظلم سے نجات ہوئی اور اگر اعمال صالحہ کے لئے چاہتا ہے تو سبحان اللہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ایک جنازہ آیا حضور ﷺ نے فرمایا: مستریح او مستراح منہ (الدر المنثور ۶، ۱۶۶، اتحاف

(۱) بڑی غنیمت چیز ہے (۲) افسوس ہے (۳) گناہ کم ہوئے۔

السادۃ المتقین ۱۰، ۲۳۰) ''یعنی اگر مومن محسن ہے تو خود راحت پانے والا ہے اور اگر ظالم ہے تو اوروں کے لئے راحت ہوگئی۔ آدمی کو چاہئے کہ ایسی طرح زندگی بسر کرے کہ مرنے کے وقت راحت ہو جس کے لئے حیات مطلوب ہے۔

دور حاضر کے امراء کا ظلم وستم

آج کل رؤساء اور امراء کی یہ حالت ہے کہ غرباء کو کچھ نہیں سمجھتے مارنا ان کو جائز ہے۔ سب وشتم سے دریغ نہیں (۱) ایسا شخص مستراح منہ (۲) ہے جس وقت ظلم کا ارادہ ہوا اس قدر سمجھ لے کہ اگر ہم غریب ہو جائیں ایسا ہی معاملہ ہمارے ساتھ ہو تو اس وقت ہماری کیا حالت ہو اور یاد رکھو خدا تعالیٰ کو کوئی مشکل نہیں کہ آپ اس سے بھی زیادہ غربت اور مصیبت میں مبتلا ہو جاویں اور ان پر جو رحمت ہو رہی ہے وہ بھی ان غرباء ہی کی بدولت ہے۔ حدیث شریف میں آیا ہے (ھل ترزقون تنصرون الا بضعفاکم)(۳) تو غرباء کی بڑی رعایت چاہئے ان پر ظلم کا انجام بہت برا ہے گو ظاہر ہے بعض ظالموں کو ترقی ہوتی ہے۔

ظلم کرنے کا انجام

مگر اس ترقی کی ایک مثال ہے کہ ایک کانسٹیبل نے ایک درویش پر ظلم کیا تھا اس نے بددعاء کی کہ اے اللہ اس کو انسپکٹر کردے اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمالی وہ انسپکٹر ہو گیا پھر تو اس درویش کا بڑا معتقد ہوا اور اس کو تلاش کرایا اتفاق سے وہ مل گیا اس سے اپنا قصور معاف کرایا اور کہا کہ کچھ مجھ سے مانگو اس درویش نے کہا کہ مجھ کو ایسے ایسے سیاہ اور بڑے بچھوں کی ضرورت ہے اس نے تلاش کرائے ویسے

(۱) گالیاں دینے اور برا بھلا کہنے میں کوئی پرواہ نہیں (۲) ایسے شخص کے مرنے سے لوگوں کو راحت ہوگی (۳) غرباء ہی کی وجہ سے تم کو رزق دیا جاتا ہے اور تمہاری مدد کی جاتی ہے۔

بچھو نہ ملے۔ آخر درویش سے غرض کیا کہ حضرت ایسے بچھو تو ملتے نہیں اس درویش نے کہا کہ فلاں قبر میں ملیں گے وہ کسی انسپکٹر کی قبر تھی چنانچہ وہ قبر کھدوائی گئی دیکھا تو بہت سے زہریلے خوفناک بچھو اس کے بدن کو لپٹ رہے ہیں وہ دیکھ کر لرز گیا درویش نے کہا کہ میں نے تم کو یہ دعا دی تھی۔

ظلم سے توبہ

اور غریب پر ظلم کی ایک اور حکایت ہے کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک سائیس[۱] کے چابک مارا تھا خواب میں دیکھا کہ سامنے جنت ہے ایک مکان عالیشان ہے اور باہر کھونٹی پر وہی چابک لٹک رہا ہے پوچھا کہ یہ کس کا مکان ہے کہا گیا کہ محمود کا مکان ہے سلطان نے اس میں جانے کا ارادہ کیا حکم ہوا کہ جب تک یہ چابک تمہارے کمر پر نہ لگے گا تم اس میں نہیں جاسکتے۔ خوفزدہ ہوکر آنکھ کھل گئی اور اس سائیس کو بلایا اور وہی چابک منگایا اور اس سے کہا کہ تو میرے چابک مار اس کی کیسے ہمت ہوسکتی تھی غرض اس کو انعام واکرام دے کر راضی کیا صاحبو وہاں کی حالت پیش نظر نہیں ورنہ نچادیوے پس مرنے سے پہلے اہل حقوق کے حق ادا کردو ورنہ وہاں ادا کرنا پڑیں گے ایسے ہی لوگوں کی نسبت ارشاد فرمایا ہے اور مستراح منہ[۲] اور جنہوں نے حیات کو طاعات میں صرف کیا ہے ان کو مرنے سے راحت ہوجاتی ہے۔

تمام عالم اصل مغز

پس حیات ہی سرمایہ ان طاعات کا ہے ان طاعات کے اکتساب کیلئے اہل تمکین حیات کو ترجیح دیتے ہیں[۳] غرض جان وہ شئے ہے کہ جس قدر سامان

(۱) گھوڑا چلانے والے کوچوان کے ایک ہنڈ مارا (۲) اس کے مرنے کی بنا پر لوگ راحت میں آجائیں (۳) بلند مرتبہ لوگ زندگی کو ترجیح دیتے ہیں۔

ہیں سب اسی کے لئے ہیں خلاصہ تمام کارخانہ کا جان ہے۔ سب چیزیں تابع ہیں اور جان متبوع ہے اور جان والے کے ساتھ حضور ذاکر کو تشبیہ دیتے ہیں۔ پس جان مشبہ اور ذکر مشبہ بہ ہوا جیسے تمام عالم کا مغز اور اصل جان ہے اسی طرح تمام علوم واعمال کا مدار ذکر ٹھہرا(۱) اور یہ مضمون نری تشبیہ ہی سے مستفاد نہیں ہوا۔(۲)

تمام علوم کی روح اور تمام اعمال کا مدار

بلکہ قرآن وحدیث میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام اعمال کا قطب الرحی اور مدار کار(۳) اور مقصود اعظم ذکر ہے اور اسی طرح تمام علوم کی روح اور لب(۴) یہی ذکر ہے دو چار امثلہ نمونہ کے طور پر ذکر کی جاتی ہیں اعمال میں سب سے بڑی شئے نماز ہے اور اس کی نسبت ارشاد ہے: ﴿اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ﴾(۵) ”یعنی آپ اے محمد ﷺ تلاوت کیجئے وہ جو آپ کی طرف کتاب سے وحی کیا گیا ہے اور نماز کو قائم کیجئے بے شک نماز بے شرمی کی بات اور بری بات سے روکتی ہے“۔

آگے اس کی علت میں ارشاد ہے کہ بے شک اللہ کی یاد بڑی شے ہے یعنی فحشا اور منکر سے نماز کا روک دینا عجب نہیں اس لئے کہ وہ ذکر ہے اور اللہ کی یاد بڑی شئے ہے حقیقت میں اللہ کی یاد ایسی ہی شئے ہے کہ جب وہ پائی جاتی ہے اس کے سامنے سب شئے ہیچ ہو جاتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آں شعلہ است چوں او برفروخت　　ہر چہ جز معشوق باشد جملہ سوخت

”یعنی عشق وہ شعلہ ہے کہ جب وہ روشن ہوتا ہے تو معشوق کے علاوہ سب کو فنا کر دیتا ہے“

---

(۱) تمام علوم واعمال کا اصل اور اصول ذکر ہے (۲) صرف تشبیہ ہی سے نہیں نکلا (۳) جس کے گرد تمام اعمال گھومتے ہیں اور جس پر اعمال کا مدار ہے اور سب سے بڑا مقصود ذکر ہے (۴) روح اصل (۵) سورۃ العنکبوت: ۴۵۔

تیغ لا در قتل غیر حق براند ورنگر آخر کہ بعد لاچہ ماند

''لا الٰہ الا اللہ کی تیغ اللہ کے ہلاک کرنے میں چلا وہ الٰہ کے بعد کیا رہ گیا''

ماند الا اللہ و باقی جملہ رفت مرحبا اے عشق شرکت سوز تفت

''یعنی اللہ باقی رہ گیا باقی تمام فنا ہوگیا اے عشق عزت شوکت سوز تجھ پر آفرین ہے کہ سوائے محبوب کے سب کو فنا کردیا''

جب یاد غالب ہوتی ہے تو سب فنا ہوجاتا ہے اور نماز یاد ہے پس اس سے فحشا اور منکر سب زائل ہوجاتے ہیں پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز کا مقصود ذکر ہے اور دوسرے مقام پر فرماتے ہیں: ﴿اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِی﴾ یعنی نماز کو قائم کیجئے میری یاد کے واسطے معلوم ہوا کہ غایت اور روح نماز کی یہی ذکر ہے۔

رکوع وسجود کی اہمیت

لیکن اس سے یہ نہ سمجھو کہ رکوع اور سجود کوئی چیز نہیں جیسے جہلاء صوفیہ کہتے ہیں کہ ہم کو نماز کی روح حاصل ہے اس لئے ہم نماز نہیں پڑھتے میں ان حضرات کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپ مجھے اجازت دیجئے کہ میں آپ کی انگلی کاٹ لوں اگر آپ خوشی سے اجازت دیں تو فبہا ورنہ پوچھا جائے کہ کیا وجہ ہے کہ اپنی تو انگلی اور ناخن تک پیارے اور نماز کے ہاتھ پاؤں اڑانے کے لئے تیار ہو یہ قیام رکوع وسجود نماز کے ہاتھ پاؤں ہیں اور میں ان سے کہوں گا کہ زوجہ حسین کیوں ڈھونڈتے ہو جان تو یکساں ہے اور حقیقت سب کی ایک ہے خلاصہ یہ ہے کہ رکوع وسجدہ بڑی چیز ہے مگر مغز اس کا وہی ہے اگر یاد نہ ہوگی تو ایسی مثال ہے جیسے کسی نے کسی سے فرمائش کی کہ ہم کو ایک آدمی کی ضرورت ہے وہ تھوڑی دیر میں ایک کھٹولی(۱) چار آدمیوں کے سر پر لایا جب اس پر سے چادر اتاری گئی تو دیکھا ایک مردہ ہے جس کے ہاتھ پاؤں سب درست ہیں تو جیسے اس کو انسان نہیں کہہ سکتے گو

(۱) ایک چھوٹا سا پلنگ۔

ہاتھ پاؤں سب درست ہیں ایسے ہی بے ذکر کی نماز نماز کہلانے کی مستحق نہ ہوگی گو رکوع سجدہ سب کچھ ہو اور اگر نری یاد ہو اور رکوع سجدہ میں کتر بیونت کرے(۱) تو ایسی مثال ہے جیسے ایک مضغہ گوشت ہے(۲) کہ آنکھوں سے اندھا پاؤں سے لولا ہاتھوں سے لنجا ناک سے نکٹا دانتوں سے پوپلا سر سے گنجا کانوں سے بہرا نہ ہل سکتا ہے نہ چل سکتا ہے جہاں چاہیں اس کو اٹھا کر پھینک دیں تو وہاں سے کہیں نہیں جاسکتا پوچھا کہ یہاں تم یہ کیا لائے کہا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ آدمی لاؤ یہ آدمی ہے ظاہر ہے کہ اس کو یہی جواب دیا جائے گا کہ ہمارا مقصود یہ تھا اس کو ہم کیا کریں گے تو جیسے اس مضغہ گوشت تعریف انسان یک صادق ہے تو ایسے ہی وہ نماز کہ جس میں رکوع سجود نہیں یا رکوع سجود ناقص ہے کہنے کو نماز ہے لیکن فی الواقع کچھ نہیں غرض نہ ہاتھ پاؤں بلا جان کے کافی ہیں اور نہ جان بغیر ہاتھ پاؤں کے کام آسکتی ہے۔

نماز کا اصل مقصود ذکر ہے

اور لیجئے دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنتُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ﴾(۳) یہ صلوۃ الخوف کے بارے میں اللہ کو یاد کرو جیسا کہ تم کو اللہ نے سکھایا ہے فاذکرواللہ سے مراد اس آیت میں صلوۃ ہے اصل کلام یہ تھا فاذا امنتم فصلوا کما علمکم (۴) ''فصلو'' کے مقام پر ''فاذکرو'' فرمانے سے یہ بتلا دیا ہے کہ صلوۃ کا اصل مقصود ذکر ہے اور اس مقام پر غور کرنے سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ ہے کہ صلوۃ الخوف (۵) میں دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلَاةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَامًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ ۚ﴾(۶) ''پھر جب تم اس نماز کو ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کی یاد

(۱) رکوع سجدہ نہ کرے یا نامکمل کرے (۲) گوشت کا لوتھڑا (۳) سورۃ البقرۃ:۲۳۹ (۴) جب تم حالت امن میں آجاؤ تو ویسے ہی نماز پڑھو جیسے تم کو سکھائی گئی ہے (۵) جنگ کے دوران حالت خوف میں پڑھی جانے والی نماز (۶) سورۃ النساء:۱۰۳۔

میں لگ جاؤ کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے بھی، پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو پہلے کے موافق پڑھنے لگو' اور آیت میں فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ پر فَاذْکُرُوا اللّٰہ مرتب جو فرمایا تو اس میں نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ صلوۃ الخوف میں دشمن کی طرف مشغولی ہوتی ہے اس لئے مقصود اصلی جو کہ ذکر ہے مظنہ ہے اس سے غفلت کا اس لئے ارشاد ہے کہ اس سے غفلت نہ ہونے پائے اور اس کے بعد فَاِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ''پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو پہلے کی طرح نماز پڑھنے لگو' سے یہ مستفاد ہوتا ہے (۱) کہ صلوۃ الخوف میں بوجہ مشغولی دشمن صلوٰۃ کا مکمل یعنی ذکر علی وجہ الکمال ادا نہیں (۲) ہوا اس لئے کہ حاصل اس ارشاد کا یہ ہے کہ جب تم کو اطمینان ہو تو نماز کو اس کے حقوق کے ساتھ ادا کرو اس سے اشارہ یہ نکلا کہ خوف کی حالت میں نماز کامل نہیں ہوئی یعنی باعتبار صورۃ کے بہر حال ان آیات سے ثابت ہوا کہ صلوٰۃ کا لب اور مغز (۳) ذکر ہے۔

جملہ اعمال کا مقصود ذکر الٰہی ہے

اور سنیے ایک بڑی عبادت حج ہے اس کے بیان میں ارشاد ہے: ﴿فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ (۴) یعنی جب تم عرفات سے چلو مشعر حرام کے نزدیک ذکر اللہ کرو مزدلفہ کے قیام کو ذکر اللہ کے ساتھ تعبیر فرما کر یہ بتلا دیا کہ اصل مقصود ذکر ہے اور آگے ارشاد ہے: ﴿فَاذْکُرُوا اللّٰہَ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ﴾ یعنی اللہ کو یاد کرو چند گنتی کے دنوں میں ان ایام سے مراد ایام تشریق ہیں اور ذکر اللہ سے مراد رمی جمار اور ذبح اور نحر اور حلق ہے ان سب کو اذکروا اللہ سے معنون فرمانے سے بتلا دیا کہ ان سب اعمال سے ذکر مقصود ہے اور لیجئے ارشاد ہے: ﴿ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْکَ رِجَالًا وَّعَلٰی کُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ لِّیَشْهَدُوْا

(۱) یہ بھی معلوم ہوتا ہے (۲) دشمن کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے نماز کی تکمیل کرنے والا ذکر عمدہ طریقہ پر ادا نہ ہوا (۳) نماز کا اصل الاصول ذکر ہے (۴) سورۃ البقرۃ:۱۹۸۔

مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ م بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ج﴾(۱) ’’اور لوگوں میں حج کا اعلان کردو لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی تاکہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تاکہ ایام مقررہ پر ان مخصوص چوپایوں پر اللہ کا نام لیں‘‘۔

اس سے معلوم ہوا کہ حج کی غایت ہی یہی ہے کہ قربانی پر اللہ کا نام لیں اور آگے چل کر بالکل صاف صاف ارشاد ہے: ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ م بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ط﴾(۲) ’’اور ہم نے ہر امت کے لئے قربانی کرنا اس غرض سے مقرر کیا تھا کہ ان چوپایوں پر اللہ کا نام لیں جو اس نے ہم کو عطا فرمائے‘‘ جہاد کے بیان میں ارشاد ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾(۳) خدا تعالیٰ کی یاد وہ شے ہے کہ جان جانے کے وقت بھی اس کا امر ہے جان جائے مگر یاد نہ جائے ازواج مطہرات کو خطاب ہے: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ج﴾ اللہ کی آیات کی تلاوت بھی ظاہر ہے کہ ذکر ہی ہے۔ اور آگے ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ﴾(۴) ’’بے شک اسلام کے کام کرنے والے مرد اور اسلام کے کام کرنے والی عورتیں اور ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور فرمانبرداری کرنے والے مرد اور فرمانبرداری کرنے والی عورتیں اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور خشوع کرنے والے مرد اور خشوع کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور

(۱) سورۃ الحج: ۲۷، ۲۸ (۲) سورۃ الحج: ۳۴ (۳) سورۃ الانفال: ۴۵ (۴) سورۃ الاحزاب: ۳۵۔

خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں‘‘

آگے ان سب اعمال صالحہ کی تکمیل فرماتے ہیں: ﴿وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ لا اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا﴾ (۱) ’’اور بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے‘‘ یہ تو آخرۃ کے اعمال کے متعلق تھا۔

اعمال دنیا میں مقصود ذکر ہے

اب دنیا کے اعمال کی نسبت لیجئے ارشاد ہے: ﴿فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا﴾ (۲) یعنی جب نماز جمعہ کی ادا کی جائے تو زمین میں متفرق ہو جاؤ اور اللہ کا فضل یعنی رزق طلب کرو اور اس حالت میں بھی اللہ کو مت بھولو بلکہ بکثرت ذکر کرو امید ہے کہ فلاح پاؤ گے چونکہ دنیا کے دھندوں میں مشغول ہونے کی حالت مظنہ تھا غفلت (۳) کا اس لئے خصوصیت کے ساتھ یہاں یاد دہانی فرمادی کہ سب کچھ کرو مگر جو کام اصلی ہے اس کو نہ بھولو۔ یہ آیات تو وہ ہیں جو اس وقت مجھ کو بلا سوچے یاد آئیں ورنہ اگر غور کیا جاوے تو کوئی فعل کوئی حرکت کوئی معاملہ ایسا نہ نکلے گا کہ جس میں حق تعالیٰ نے اس مقصود اصل کی تعلیم نہ فرمائی ہو جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقصود یہی ہے۔ اس کی ایسی مثال ہے جیسے آقا اپنے نوکر سے یا باپ اپنے بچوں سے کہے کہ دیکھو ہم سوتے ہیں تم شرارت نہ کرنا غل نہ مچانا تالی نہ بجانا وغیرہ تو ان سب مناہی سے (۴) مقصود اصلی یہ ہے کہ ہم کو تکلیف نہ ہو پس اصلی کام تو ذکر ہے اور باقی کام خواہ عبادات ہوں یا عادات وہ اسی مقصود اصلی کی صورتیں ہیں۔

(۱) سورۃ الاحزاب: ۳۵ (۲) سورۃ جمعہ (۳) دنیاوی کاموں میں مشغول ہونے کی وجہ سے اندیشہ تھا ذکر سے غفلت ہونے کا (۴) ممنوعات۔

عادات میں بھی مقصود ذکر ہے

چنانچہ عبادات کے متعلق تو اول بیان ہو چکا ہے ان میں اصل مقصود ذکر ہے عادات کے متعلق لیجئے احادیث میں آیا ہے کہ جب کھانا کھاؤ تو اللہ کا نام لو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد دعا کی تعلیم فرمائی پاخانہ میں جاتے وقت ذکر کی تعلیم ہے۔ بی بی سے ہم بستری کے وقت اسی کی تعلیم ہے گھر سے نکلنے اور گھر میں داخل ہونے اور صبح وشام اور رات اور آدھی رات غرض ہر حالت اور ہر زمانہ اور ہر مکان میں ذکر کی تعلیم ہے حدیث میں آیا کہ حضور ﷺ کے دولت خانہ کا چراغ گل ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ (۱)۔

اسلام اور عیسائیت میں فرق

میرے بھائی نے ایک عیسائی سے عجیب گفتگو کی میرے بھائی نے کہا کہ اسلام اور عیسائیت میں بڑا فرق یہ ہے کہ اگر کوئی اللہ کا بندہ اپنے مولیٰ کی محبت میں یہ چاہے کہ میں رات دن چوبیس کے چوبیس گھنٹے اپنے خدا کی خدمت میں گزاروں تو اسلام ہی کے اندر یہ خوبی ہے کہ ہر ہر منٹ کے کام کی فہرست اس کو بتلا دی ہے بلکہ کام زیادہ ہیں اور وقت کم ہے سوائے اسلام کے کوئی مذہب ایسا نہیں جس میں اس طور سے اوقات کو مشغول کر دیا ہو وہ عیسائی یہ سن کر ساکت ہو گیا۔

آخرت کا اصلی کام صرف ذکر اللہ ہے

غرض اصلی کام ایک ہے اور صورتیں مختلف ومتعدد ہیں یہ تو اعمال صالحہ اور مباحہ (۲) کے متعلق تھا اب اس سے بڑھ کر لیجئے اعمال سیئہ اور معاصی (۳) کے وقت بھی اسی کی تعلیم ہے ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ

(۱) ''ہم سب اللہ کی ملک ہیں ہمیں اس کی طرف لوٹ کر جانا ہے (۲) نیک وجائز اعمال (۳) برے اور گناہوں کے کام۔

الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَاھُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۱﴾ ’’یعنی جو لوگ متقی ہیں جب ان کو کوئی شیطان کی طرف سے خیال آتا ہے تو وہ فوراً (اللہ کو) یاد کرتے ہیں پس وہ بصیرت والے ہی ہو جاتے ہیں‘‘

دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿ وَالَّذِیۡنَ اِذَافَعَلُوۡا فَاحِشَۃً اَوۡظَلَمُوۡٓا اَنۡفُسَھُمۡ ذَکَرُوا اللّٰہَ فَاسۡتَغۡفَرُوۡا لِذُنُوۡبِھِمۡ ﴾ (۲) یعنی وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں (یعنی صغائر کے مرتکب ہوتے ہیں) تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں۔ پہلی آیت تو ابتدائے معصیت (۳) کے وقت ذکر کی تعلیم کرتی ہے اور دوسری آیت وقوع (۴) کے بعد خلاصہ یہ ہے کہ اگر وسوسہ گناہ کا آوے تو اس کا علاج بھی ذکر ہے اور وقوع اگر ہو جاوے تو اس کا تدارک (۵) بھی ذکر ہی ہے۔ اللہ اکبر کیا انتہا ہے رحمت کی، کہ گناہ کے وقت بھی ارشاد ہے کہ ہم کو یاد کرو۔

ارتکاب گناہ کے بعد ذکر سے رکاوٹ کا سبب

تفصیل اس مجمل کی یہ ہے کہ جس وقت آدمی گناہ کرتا ہے تو گناہ سے پہلے اور گناہ کے بعد اس کو حق تعالیٰ سے ایک حجاب اور بعد (۶) معلوم ہوتا ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ میں بڑی دور نکال دیا گیا ہوں اور جب اس کیفیت کا زیادہ احساس ہوتا ہے تو ایک مایوسی کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ذکر اور توبہ اور دعا کی ہمت نہیں ہوتی اور نفس کہتا ہے کہ نفرین ہے تجھ پر اب تو اس لائق نہیں کہ خدا کا نام لے اور اب تیرے حال پر رحمت نہ ہوگی اور خدا تعالیٰ کی یاد سے دل بالکل رک جاتا ہے اور یہ ان لوگوں کی حالت ہوتی ہے جن کے قلب میں کچھ احساس ہے اور جو بے حس ہیں ان کو تو کچھ بھی پرواہ نہیں ہوتی اسی اثر کو کسی عارف نے ظاہر کیا ہے۔

(۱) سورۃ الاعراف: ۲۰۱ (۲) سورۃ آل عمران: ۱۳۵ (۳) آغاز گناہ کے وقت (۴) گناہ سرزد ہونے کے بعد (۵) گناہ ہو ہی جائے تو اس کا بدل بھی ذکر ہی سے ہوگا (۶) دوری۔

احب مناجاۃ الحبیب باوجہ ولکن لسان المذنبین کلیل

’’محبوب خداوندی کو مناجات زیادہ محبوب ہے۔ لیکن گناہ گاروں کی زبان گناہوں کے سبب لڑکھڑاتی ہے‘‘

اس کی ایسی مثال ہے جیسے کوئی آقا اپنے وفادار فرمانبردار نوکر پر خفا ہوا اور خفا ہوکر اس کو نکال دیا اس وقت اس نوکر کو ہمت نہیں ہوتی کہ آقا کو حضور یا سرکار کہہ کر پکارے یا کوئی درخواست کرے بلکہ اس کا خطرہ بھی نہیں گزرتا[1] اور سمجھتا ہے کہ میں کس منہ سے اب پکاروں یا کوئی شے مانگوں۔ چونکہ یہ بات ذہنوں میں جمی ہوئی ہے اس لئے اگر کوئی گناہ ہم لوگوں سے ہوجاتا ہے تو اس وقت بھی یہی کیفیت ہوتی ہے کہ اللہ کا نام لینے اور دعا کرنے کی ہمت نہیں ہوتی اور عقل سے اگر ایسی حالت میں استفتا کیا جاوے تو عقل کا فتویٰ تو ایسے وقت یہ ہے کہ اب اللہ تعالیٰ سے باتیں کرنا اور دعا کرنا حرام ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہماری عقل رہبری کے لئے بالکل ناکافی ہے۔

رحمت خداوندی

عقل کا حکم تو یہ ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے: ﴿وَالَّذِیْنَ اِذَافَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْٓااَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوااللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ﴾[2] ’’وہ ایسے لوگ ہیں کہ جب کوئی سخت گناہ کرتے ہیں یا اپنے نفسوں پر ظلم کرتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں‘‘

ہزار برس جرائم کے مرتکب رہو اور کوئی جرم ایسا نہ ہو جو نہ کیا ہو اور پھر حق تعالیٰ سے مغفرت مانگو فوراً رحمت ہوگی گویا ارشاد ہے کہ ہم دنیا کے آقاؤں جیسے نہیں۔ ہم مغلوب ہوجانے والے نہیں ہیں۔ تمہاری شرارت رحمت کے سامنے کوئی چیز نہیں بے کھٹکے مغفرت مانگو اور آگے کیسے لطف اور رحمت کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ﴾[3] عین خفگی کی تو حالت اور اس پر یہ رحمت اور آگے

(۱) اس کا خیال بھی نہیں آتا (۲) سورۃ آل عمران: ۱۳۵ (۳) سورۃ آل عمران: ۱۳۵۔

ارشاد ہے: ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا﴾ (۱) کہ ہمارے بندے ایسے نہیں کہ اپنے کئے پر اصرار کریں اور اسی پر بس نہیں ہے اس پر انعام اور بدلہ بھی ہے فرماتے ہیں: ﴿اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ (۲) بتلاؤ تو ایسا کوئی آقا اور مربی دیکھا بھی ہے کہ خطائیں کرو اور معافی مانگنے پر انعام ملے اگر اپنے باہمی معاملات میں غور کرو کہ ہم آپس میں ایسے وقت اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرتے ہیں اور اس کے بعد حق تعالیٰ کے معاملات میں غور کرو تو خدا جانتا ہے کہ وجد آجاوے۔

ذکر کا فائدہ

غرض گناہ کے وقت میں بھی ذکر ہی کی تعلیم ہے پس ان آیات واحادیث سے معلوم ہوا کہ جس طرح کارخانہ عالم میں اصلی مقصود جان ہے کہ سب بکھیڑے اسی کے واسطے ہیں اسی طرح آخرت کے کاموں میں اصل شے ذکر ہے یہ تو مضمون ہے جو اس حدیث شریف کی شرح ہے میرا مقصود اس سے یہ ہے کہ ہم کو یہ چاہئے کہ اس کو ایک دلچسپ مضمون ہی نہ سمجھیں بلکہ ہر شخص کو چاہئے کہ ذکر کے لئے اپنا کوئی دستور العمل مقرر کرے میں تجربہ سے کہہ رہا ہوں کہ کیسی ہی بری حالت ہو کسی قدر رکاوٹ ہو اور کتنے ہی حجاب ہوں ذکر کی برکت سے سب دور ہو جاویں گے جب کبھی انقباض مبدل بانشراح ہوا ہے (۳) جب حجاب اور بعد قرب سے بدلا ہے وہ ذکر ہی کی بدولت ہوا ہے۔

شیطان کا جال

مولانا نے ایک حکایت لکھی ہے کہ دریا کے پاس ایک ناپاک کا گزر ہوا دریا نے کہا کہ میرے پاس آجا میں تجھ کو پاک کردوں اس نے کہا کہ میں ناپاک ہوں کیسے تجھ جیسے طہر مطہر (۴) کے پاس آؤں مجھ کو شرم آتی ہے دریا نے کہا کہ بچہ اگر شرم ہی شرم

(۱) سورۃ آل عمران: ۱۳۵ (۲) سورۃ آل عمران: ۱۳۶ (۳) جب کبھی بھی دل کی گھٹن فرحت میں تبدیل ہوئی جب بھی رکاوٹ اور دوری قرب سے تبدیل ہوئی بوجہ ذکر ہی ہوئی (۴) پاک اور پاک کرنے والا۔

میں رہوگے تو تمام عمر اسی ناپا کی میں گزر جاوے گی اور جب کبھی پاک ہوگے مجھ ہی سے ہوگے یا میری کسی موج سے، آجاؤ ایک موج اٹھے گی اور سب ناپاکیوں کو دور کردے گی مجھ سے شرم نہ کرو مجھ سے شرم کروگے تو کہاں جاؤگے کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔

ہرچہ بینم درجہاں غیر تو نیست یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

''یعنی تمام عالم آپ کی صفات کا مظہر ہے ہر چیز کو آپ سے تعلق ہے غیر کا وجود بھی نہیں بلکہ ہر جگہ آپ کا ظہور ہے''

پس حق تعالیٰ سے اگر حجاب کروگے تو کہاں ٹھکانا ہے شیطان بہکاتا ہے کہ تمہاری ایسی ردی حالت ہے کہ تم اگر ذکر کروگے تو کچھ نہ ہوگا اس کے جال میں نہ آؤ یہ ہمیشہ نئے نئے جال پھیلاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام ودانہ است اے خدا ماچو مرغان حریص بے نوا
دمبدم پابستہ دام تو ایم گر ہمہ شہباز سیمرغے شویم
مے رہائی ہر دمے مارا و باز سوئے دامے میرویم اے بے نیاز

''اے خدا لاکھوں جال اور دانے ہیں اور ہم لالچی بھوکے پرندوں کی طرح ہیں ہم ہر وقت ایک سے جال میں گرفتار ہیں اگر ہم شہ باز اور سیمرغ بن جائیں تو ہمیں ہر وقت چھڑاتا ہے اور پھر ہم کسی جال کی طرف چل دیتے ہیں''

ذاکرین کو تو اس طرح روکتا ہے اور غیر ذاکر کو اس طرح روکتا ہے کہ ان کو ذکر ہی نہیں کرنے دیتا غرض شیطان کی بڑی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ذکر نہ کرے۔

ذکر لسانی میں نفع

اس کے علاج کے لئے مختصر سی بات یہ ہے کہ جب شیطانی خیال آوے فوراً اللہ اللہ زبان سے کہنا شروع کردے ذکر اللہ سے شیطان بھاگتا ہے حدیث میں آیا ہے:الشیطان جاثم علی قلب ابن آدم فاذا ذکر اللّٰہ خنس واذا غفل

وسوس (مشکوۃ المصابیح ۲۲۸۱) ''شیطان آدمی کے قلب پر چمٹا ہوا بیٹھا رہتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو وہ چلا جاتا ہے اور جب غافل ہو وسوسہ ڈالنے لگتا ہے''

بعض مرتبہ شیطان یہ کہتا ہے کہ ذکر لسانی کوئی چیز نہیں ہے اصل ذکر تو قلب کا ہے اور قلب میں تمہارے گندگی بھری ہوئی ہے پھر زبانی ذکر سے کیا فائدہ ہے اور یہ شعر یاد دلاتا ہے۔

برزباں تسبیح و دردل گاؤخر این چنیں تسبیح کے وارد اثر

''زبان پر تسبیح اور دل میں گاؤخر ایسی تسبیح کب اثر رکھتی ہے''

یاد رکھو یہ سب شیطان کا جال ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ بندہ ذکر نہ کرے اور یہ شعر مولانا رومی کا مشہور ہے حالانکہ ان کا نہیں ہے یہ شعر بہاؤالدین عاملی کا ہے اور وہ ایک شیعی ہے مولانا اس کے مناقض مضمون فرماتے ہیں۔

از صفت و زنام چہ زاید خیال واں خیالش ہست دلال وصال

''یعنی خدا کا نام لیتے لیتے اول ایک خیال قائم ہوجاتا ہے پھر وہی خیال وصال کا وسیلہ بن جاتا ہے''

غرض یہ بالکل غلط ہے کہ ذکر لسانی کوئی شے نہیں ہے کہ آدمی ذکر کرے اور قلب میں اس کا اثر نہ ہو اثر ضرور ہوتا ہے گو محسوس نہ ہو، کر کے تو دیکھو امتحان ہی کے طور پر کرو اس کا انتظار کرو کہ تقویٰ اور طہارت کے بعد ذکر کریں گے تقویٰ طہارۃ بھی اسی کی برکت سے حاصل ہوجاوے گا۔

اصلی کام

کہیں کا خیال نہ کرو بس ذکر شروع کردو اور اسی کو اصلی کام سمجھو دنیا کے کام کرو اور ساتھ ساتھ اللہ اللہ بھی کرتے رہو آدمی جس کام کو اصلی کام سمجھتا ہے تو اگر وہ دوسرے کام میں لگ جاتا ہے تو اس کو انتظار رہتا ہے کہ یہ کام ختم ہوجاوے تو

میں اپنے اصلی کام میں لگوں بس یہی حال تمہارا ذکر کے ساتھ ہونا چاہئے اپنی زندگی کا سرمایہ ذکر کو سمجھو اور اگر کسی وقت بھول جاؤ تو بجائے اس کے کہ اس کا افسوس کرو ذکر میں مشغول ہوجاؤ۔ یہ بھی شیطان کا ایک جال ہے کہ افسوس وحسرت کے اندر لگادیتا ہے کچھ خیال نہ کرو بس جب یاد آوے فوراً ذکر میں مشغول ہوجاؤ۔

تسبیح کا فائدہ

اور نسیان [1] سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ تسبیح ہر وقت ہاتھ میں رکھو اس کی کچھ پرواہ نہ کرو کہ لوگ ریاکار کہیں گے تسبیح مذکر ہوتی ہے حضرت جنید بغدادی کے ہاتھ میں کسی نے تسبیح دیکھی تو پوچھا کہ حضرت اب تو آپ منتہی ہوگئے اب اس کی کیا ضرورت ہے فرمایا کہ اسی نے تو ہم کو خدا تک پہنچایا ہے ایسے رفیق کو ہم کیسے چھوڑ دیں بس تم بھی تسبیح بھانا شروع کردو اور کچھ شرم نہ کرو ایسی ہی شرم کی نسبت کسی نے کہا ہے ''جس نے کی شرم اس کے پھوٹے کرم'' اگر ایسی ہی شرم ہمارے آباواجداد کرتے تو آج ہم مسلمان نہ ہوتے انہوں نے شرم وحیاء کو بالائے طاق رکھ کر دین حق کو قبول کیا اور دین آبائی کو آگ لگادی یہ حیا مذموم ہے ہم سب عاشق ہیں عاشق کو ننگ ونام سے کیا کام ہے۔

شاد باش اے عشق خوش سودائے ما   اے طبیب جملہ علت ہائے ما
اے دوائے نخوت و ناموس ما   اے تو افلاطون و جالینوس ما

اے عشق تو ایسا ہے کہ تیری بدولت خیالات درست ہوجاتے ہیں اور تجھ سے سب امراض کا علاج ہوجاتا ہے اے عشق تو ایسا ہے کہ تجھ سے نخوت وناموس کا دفعیہ ہوجاتا ہے تو ہمارے لئے افلاطون اور جالینوس ہے۔

ہر وقت ذکر ہو وضوء بے وضوء

اور اگر خیر ایسے ہی شرم مانع ہے تو انگلیوں پر گن لیا کرو اور یہ بھی شاق

(۱) بھول۔

ہے تو زبان سے ہی اللہ اللہ کہا کرو اور طہارۃ کی بھی قید نہ رکھو وضو بے وضو پاک ناپاک ہر حالت میں اللہ اللہ کرو۔ ایک شخص جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ او صنی قال لا یزال لسانك رطبا من ذکر اللّٰہ (سنن الترمذی: ۳۳۷۵، مشکوۃ المصابیح ۲۲۷۹)

یعنی عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے فرمایا کہ تیری زبان ہمیشہ اللہ کی یاد کے ساتھ تروتازہ رہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ درود شریف بغیر وضو نہ پڑھے غلط ہے کوئی قید نہیں دل لگنے کی بھی پرواہ نہ کرو دل لگے یا نہ لگے بس ذکر کئے جاؤ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ کی یاد اتنی کرو کہ لوگ تم کو ریا کار کہنے لگیں۔ دیکھئے آپ تو ڈرتے تھے کہ لوگ ہم کو ریا کار کہیں گے حضور ﷺ خود ہی امر فرماتے ہیں معلوم ہوا کہ یہ تمہارا فرض منصبی ہے بس اللہ کا نام لے کر اللہ کا نام شروع کردو دیکھو تو اس کے کیا کیا ثمرات تم کو ملتے ہیں آخرت میں تو جو کچھ ملے گا وہ تو وہاں مشاہدہ کرو گے دنیا ہی میں ان شاء اللہ وہ دولت ملے گی کہ جو نہ زبان سے بیان کی جاسکتی ہے اور نہ قلم سے لکھی جاسکتی ہے، بہت سہل بات ہے اس میں کچھ حرج بھی نہیں۔

ذکر کی بدولت اللہ کے یہاں تمہارا تذکرہ

میں پھر مکرر (۱) متوجہ کرتا ہوں کہ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے چند روز امتحاناً ہی کر دیکھو۔ دیکھو تو کہ گناہ کہاں ہیں اور رذائل کدھر گئے اور علاوہ اس کے دیکھو گے جو کچھ دیکھو گے یہ مطلب نہیں کہ انوار تم کو نظر آنے لگیں گے یا فرشتے تمہارے پاس آنے لگیں گے یہ تو کوئی شے نہیں بڑی دولت تو یہ ہے کہ تم خدا کے ہوجاؤ گے اور خدا تمہارا ہوجائے گا اور خدا تعالیٰ کے یہاں تمہارا ذکر ہوگا چنانچہ ارشاد ہے: من ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی ومن ذکرنی ملاء ذکرته فی ملاء

(۱) دوبارہ۔

خیر منہ (مسند احمد ۲، ۳۵۴) ''جو شخص اپنے جی میں مجھے یاد کرتے ہیں میں اپنے جی میں اسے یاد کرتا ہوں اور جو شخص مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے میں ایسے مجمع میں اس کا ذکر کرتا ہوں جو اس مجمع سے افضل ہوتا ہے۔ اور ارشاد ہے: من تقرب الی شبرا تقربت الیہ ذراعا ومن تقرب الی ذراعا تقربت الیہ باعا (مسند احمد ۲، ۴۱۳، کنز العمال ۱۱۷۹) ''جو شخص ایک بالشت میرا قرب اختیار کرے میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہوں اور جو شخص ایک ہاتھ میرا قرب اختیار کرے میں دونوں ہاتھ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہوں'' اور ارشاد ہے: انا جلیس من ذکرنی (اتحاف السادۃ المتقین ۶، ۲۸۷) ''جو میرا ذکر کرے میں اس کے ساتھ ہوں'' ذکر سے قریب ہوگا تو قرب سے رحمت ہوگی کوئی بدحالی دنیوی یا دینی نہ رہے گی۔

مائیم پر گناہ تو دریائے رحمتے جائیکہ فضل تست چہ باشد گناہ ماہ

''ہم گناہوں سے بھرپور ہیں اور تو دریائے رحمت ہے جس مقام پر آپ کا فضل ہے وہاں ہمارے گناہ کی حیثیت کیا ہیں''

ترکیب تحصیل خلوص واحسان

یہ ترکیب تحصیل خلوص واحسان کی حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے دل میں القا فرمائی ہے(۱) اس میں نہ مجاہدہ ہے نہ ریاضت ہے نہ دنیا کے مشاغل چھوڑنے کی ضرورت بلکہ ترقی کرکے کہتا ہوں کہ جن معاصی میں ابتلاء (۲) تم کو ہو رہا ہے انکا بھی کچھ غم نہ کرو بس اس دستور العمل پر اللہ کا نام لے کر عمل شروع کردو گو اس علاج سے دیر میں شفا ہوگی لیکن ہوگی ضرور اس معالجہ کی ایسی مثال ہے کہ کوئی شفیق طبیب جب دیکھتا ہے کہ مریض اپنی کم ہمتی یا افلاس یا مشاغل کی وجہ

(۱) میرے دل میں ڈالی ہے (۲) جن گناہوں میں تم مبتلا ہو۔

سے باقاعدہ میرے پاس رہ کر علاج نہیں کرسکتا تو وہ مقتضائے شفقت کوئی مختصر سی دوا ایسی تجویز کرتا ہے کہ جس میں نہ پرہیز کی ضرورت ہو نہ تمام کام چھوڑ کر طبیب کے پاس رہنے کی حاجت ہو نہ کسی وقت کی قید نہ نبض وقارورہ (۱) دکھانے کی حاجت ہو اور کہہ دیتا ہے کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کھاتے رہو ایک دن ایسا ہوگا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اس کے اثر سے طبیعت غالب ہوکر مرض کو دفع کردے گی تو ظاہر ہے کہ یہ صورت علاج کی سہل تو بہت ہے لیکن شفا بدیر ہوگی اور ایک وہ مریض ہے جس نے اپنے کو بالکل طبیب کے سپرد کردیا اور دوا اور پرہیز کا باقاعدہ پابند ہے اور طبیب جو دوا خواہ وہ تلخ ہو یا شیریں تجویز کردے وہ بخوشی اس کو پیتا ہے ایسے مریض کو ظاہر ہے کہ جلدی شفا حاصل ہوگی۔ تو آپ کو باقاعدہ معالجہ کرنے اور ناگوار نضج و مسہل پینے کی اگر فرصت وہمت نہ ہو تو یہ مختصر سی پڑیہ سستا نسخہ میں نے تم کو بتلادی ہے اسی کو استعمال کرو اور اگر اس سہل نسخہ کو بھی استعمال نہ کیا تو ظاہر ہے کیا ہوگا کہ مرض غالب ہوگی طبیعت مغلوب ہوجاوے گی اور آخر ایک دن ہلاکت کا دن سامنے آجائے گا اور امراض جسمانیہ میں تو ہلاکت جسمانی ہی ہوگی اور امراض روحانیہ میں ہلاکت اور خسران ابدی ہوگا۔ صاحبو میں پھر مکرر سہ کر کہتا ہوں (۲) کہ اس سستے نسخہ کو ہرگز ہاتھ سے نہ جانے دو اور ہر وقت اللہ اللہ کرنا شروع کردو۔

یک چشم زدن غافل ازاں شاہ نباشی   شاید کہ نگاہے کندو آگاہ نباشی

اس شہنشاہ حقیقی سے پلک جھپکنے کی دیر بھی غافل نہ ہو شاید کہ وہ نگاہ فرمائیں اور تمہیں اس کی خبر نہ ہو۔

ہمت بڑھانے کا گر

اور ہمت بڑھانے کے لئے اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھا کرو اور ان کی

(۱) پیشاب (۲) دوسری مرتبہ اور تیسری مرتبہ پھر کہتا ہوں۔

صحبت سے ہمت بڑھے گی اور ذکر کی توفیق ہوگی ایک لطیفہ یاد آیا وہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے: انا جلیس من ذکرنی (اتحاف السادۃ المتقین ۶، ۲۸۷) دوسرا مقدمہ اس کے ساتھ یہ ملاؤ۔

یک زمانے صحبت با اولیائے بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

''اولیاء کی تھوڑی صحبت سو سال کی پر خلوص عبادت سے بہتر ہے''

خلاصہ وعظ

پس تم جب اہل ذکر کی صحبت میں رہو گے تو تم بھی جلیس و ہمنشین خدا تعالیٰ کے ہو گے میرے قلب میں بار بار اس مضمون کا تقاضا ہوتا ہے اس لئے بار بار کہتا ہوں کہ اس سہل الوصول دستور العمل سے غفلت نہ کریں اور ابھی سے عمل شروع کر دیں اب میں حق تعالیٰ پر توکل کر کے اس کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ سامعین اس کو سرسری نہ سمجھیں اور مولانا کے دو شعر پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تادم آخر دمے فارغ مباش

تادم آخر دمے آخر بود کہ عنایت باتو صاحب سر بود

''اس راہ سلوک میں ادھیڑ بن میں لگے رہو یعنی خوب کوشش کرو آخر دم تک بے کار نہ رہو آخری وقت تو کوئی گھڑی ایسی ضرور ہوگی جس میں عنایات ربانی تمہارا ہمراز اور رفیق بن جائے گا''

اب اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ حق تعالیٰ توفیق عطا فرمادیں۔ آمین (۱)

(۱) اللہ تعالیٰ اس وعظ سے مستفید ہونے والے تمام احباب کو ذکر اللہ کرنے کی توفیق عطا فرمائیں اور ہم سب کو اپنے اصلاح احوال کی فکر نصیب فرمائیں۔ آمین

خلیل احمد تھانوی

۲۰۱۳ء/۹/۱۰